محمد ناصر الدین البانی

الشیخ **محمد ناصر الدین البانی** (ولادت: 1914ء - وفات: 4 اکتوبر 1999ء) عالمِ اسلام کے ایک نامور محدث تھے اور چودھویں صدی میں علم حدیث اور جرح و تعدیل کے امام تھے۔

امام ، وعلامہ ، شیخ

محمد ناصر الدین البانی

رحمہ اللہ

(عربی میں: مُحَمَّد نَاصِرُ الدِّين)، (عربی میں: مُحَمَّد نَاصِرُ الدِّين الْأَلْبَانِي)



معلومات شخصیت	
پیدائش	16 اگست 1914ء [1][2][3] شکودر
وفات	3 اکتوبر 1999ء (85 سال)[3] عمان [4]
شہریت	سوریہ اردن
مذہب	اسلام
فرقہ	اہل سنت
عملی زندگی	
تلمیذ خاص	علی حسن حلبی ، مشہور بن حسن آل سلمان ، ابو اسحاق حوینی ، مقبل بن ہادی الوداعی
پیشہ	مصنف ، استاد جامعہ ، نجارت ، گھڑی ساز ، الٰہیات دان ، محدث
پیشہ ورانہ زبان	عربی [1]، البانوی زبان
شعبۂ عمل	علم حدیث ، حدیث

نسب نامہ

ابو عبد الرحمٰن محمد بن الحاج نوح بن نجاتی بن آدم الاشقودری الالبانی
.

تاریخ پیدائش

شیخ فرماتے ہیں میرے پاس کوئی معتمدبہ تاریخ پیدائش موجود نہیں ہے سوائے اس کے جو میرے پاس پاسپورٹ یا شناختی کارڈ میں تحریر ہے، جس کے اعتبار سے تاریخ ولادت 1914ء (بمطابق 1332ھ)ہے۔

جائے پیدائش

آپ کی جائے پیدائش اشقورہ ہے جو اس وقت البانیا کی دار الحکومت تھی، جسے بعد میں احمد زوغو نے اپنے دور حکومت میں "تیرنا" منتقل کر دیا۔

شام کی طرف ہجرت

احمد زوغو جب مسند حکومت پر برا جمان ہوا تو اس نے عوام پر خود ساختہ مغربی قوانین نافذ کرنا شروع کر دیا، فوج و پولیس پر ہیٹ لگانا ضروری قرار دیدیا گیا، حجاب کے سلسلے میں عورتوں کو پریشان کیا جانے لگا، تو میرے والد نے شام بالخصوص دمشق کی طرف ہجرت کا فیصلہ کیا۔ میرے والد شام اور خاص طور سے دمشق کی فضیلت کے بارے میں وارد احادیث کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور جیسا کہ ہم کو معلوم ہے کہ ان احادیث میں بعض صحیح، بعض حسن اور بعض ضعیف کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں، لیکن بالعموم شام اور دمشق کی فضیلت میں وارد احادیث کا عمومی نقطۂ نظر صحیح ہے، ہجرت کے وقت میری عمر 9 سال تھی اور میں عربی زبان بالکل نہیں جانتا تھا۔

کارہائے نمایاں	سلسلہ احادیث صحیحہ ، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ ، تخریج احادیث فضائل الشام ودمشق ، صفۃ صلاۃ النبی ، تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد
مؤثر	ابن تیمیہ ، ابن حزم اندلسی ، محمد بن عبدالوہاب ، بدیع الدین شاہ راشدی ، محمد رشید رضا
تحریک	سلفی

اعزازات

عالمی شاہ فیصل اعزاز برائے مطالعہ اسلامیات (1999)

تعلیم کی ابتدا

شیخ کہتے ہیں کہ دمشق جانے بعد میں نے ایک پرائیویٹ مدرسہ میں داخلہ لے لیا، جس کا نام "جمعیۃ الاسعاف الخیری" تھا اور تعلیم شروع کردی، عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے میں نے پرائمری کا پہلا اور دوسرا سال ایک سال میں ہی ختم کر دیا اور 6 سال کا کورس 4 سال میں ہی مکمل کرکے پرائمری کی سرٹیفکیٹ لے لی۔ اور لگتا ہے اللہ تعالی نے شروع ہی سے میرے اندر عربی زبان کی محبت پیدا کردی تھی، جس کی وجہ سے بفضل اللہ میں شامی ساتھیوں پر عربی وغیرہ کے مضامین میں ہمیشہ ممتاز رہا اور مجھے یاد آتا ہے کہ نحو کے استاذ کوئی جملہ یا شعر بلیک بورڈ پر لکھ کر طلبہ سے اس کی ترکیب پوچھتے مگر جب وہ نہیں جواب دے پاتے تو مجھے کلاس کے بیچ سے اٹھا کر کہتے" کہ اے ارناؤوطی تم اس جملے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" (سربیا، بوسنیا اور البانیا وغیرہ سے ہجرت کرکے بلاد عربیہ میں آنے والوں کو ارناؤوطی کہا جاتا تھا)۔ اور جب میں پہلی ہی کوشش میں صحیح جواب دے دیتا تو وہ شامی عرب طلبہ کو کوستے تھے کہ عرب ہوکر جواب دینے سے قاصر رہے اور یہ ارناؤوطی ہوکر صحیح جواب دے گیا۔

وہاں سے تعلیم چھوڑنے کی بعد میرے والد نے فیصلہ کیا کہ میں بیک وقت مشائخ سے سے پڑھا کروں اور کام بھی کیا کروں، چنانچہ میں نے والد صاحب سے قرآن تجوید کے ساتھ پڑھا اور اور فقہ حنفی اور صرف بھی انھیں سے پڑھی۔ شیخ سعید ب رہانی سے بھی فقہ حنفی، بلاغت، نحو اور خاص طور پر نور الایضاح کی شرح مراقی الایضاح پڑھی۔ چنانچہ میں ان لوگوں سے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنے ماموں اسماعیل اور ایک دوسرے شامی آدمی ابو محمد کے ساتھ کارپینٹر (بڑھئی) کا کام کیا کرتا تھا۔ جو 2 سال تک جاری رہا۔ اور میرا کام یہ تھا کہ میں بارش اور برف باری سے متاثرہ لکڑی اور اینٹ سے بنے ہوئے بوسیدہ گھروں کی مرمت کیا کرتا تھا۔ ایک دن بارش کی وجہ سے میں کام پر نہیں گیا اور والد صاحب کے پاس چلا گیا جوگھڑی سازی کا کام کیا کرتے تھے، انھوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا کیا کام نہیں ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، پھر پوچھا: کیا خیال ہے میرے ساتھ کام کرو گے، کیونکہ کارپینٹر کا کام مناسب نہیں ہے؟ میں نے کہا: جیسے آپ کی رائے، پھر انھوں نے مجھے کمائی کرنے کے لیے اپنی دکان میں بلالیا۔

علمِ حدیث کا شوق

شیخ کہتے ہیں کہ الحمد للہ میں نے شروع ہی سے مذہبی ماحول میں آنکھیں کھولیں تھیں، میرے والد صاحب حنفی مذہب کے سلسلے میں مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، گھر میں پڑھنے لکھنے کا ماحول ہونے کی وجہ سے مجھے کتابوں کے مطالعہ کا اتنا شدید شوق ہو گیا تھا کہ میں قصے کہانیوں کی کتابوں کو پڑھا کرتا تھا۔ میں الف لیلہ، عنتر بن شداد، صلاح الدین ایوبی، ذات الھمۃ والابطال، جیسی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا،

پھر اللہ کے فضل و کرم سے جب والد صاحب کے ساتھ کام کرنے لگا تو اچھا خاصہ وقت مل جایا کرتا تھا اور بعد میں والد صاحب سے اجازت لے کر مسجد اموی چلا جایا کرتا تھا، تاکہ بعض دروس کے حلقوں میں شریک ہوجایا کروں، اسی اثنا میں اللہ تعالی نے میری ملاقات ایک بوڑھے مصری سے کرادی جو بعض بوسیدہ کتابوں کو خریدتا اور انھیں مسجد اموی کے مغربی دروازے کے سامنے اپنی چھوٹی سی دکان میں رکھا کرتا تھا، اس سے ناول کی کتابوں کو کرائے پر لیتا، انھیں پڑھتا اور واپس کر دیا کوتا تھا۔

شیخ کہتے ہیں کہ اسی زمانے میں مجھے ایک دن اس بوڑھے کے پاس مجلہ المنار کے بعض شمارے ملے اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس میں شیخ رشید رضا کا ایک مضمون پڑھا جس میں انھوں نے امام غزالی کی" احیاء العلوم" کا تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ اور انھوں نے اپنے مضمون میں زین الدین عراقی کی کتاب" المغني عن حمل الاسفار في تخريج ما فی الاحیاء من الاخبار،

کی طرف اشارہ کیا تھا۔ مجھے اس کتاب کے دیکھنے کی شدید خواہش ہوئی، چنانچہ میں بازاروں میں جاکے پاگلوں کی طرح اس کتاب کی تلاش میں لگ گیا۔

اور اس کتاب کے لکھنے کے وقت مجھے خیال آیا کہ میں اپنے والد کی کتابوں سے غریب الحدیث کے سلسلے میں استفادہ کروں، کیونکہ میں تو عجمی تھا اور بعض الفاظ کا مطلب نہیں سمجھ پاتا تھا، چنانچہ میں نے اس کام سے کافی استفادہ کیا۔

بدعت کی تردید

شیخ فرماتے ہیں: میرے والد چونکہ متعصب حنفی تھے، جس کی وجہ سے گفتگو اور بحث کے دوران مجھ سے کہتے تھے، " علم الحدیث صنعۃ المفالیس" (علم حدیث پڑھنا مفلسوں کا کام ہے) اس کے باوجود علم حدیث کا مطالعہ کرتے رہنے کے بعد اس زمانے میں رائج بعض بدعتوں کا علم ہوا۔

چنانچہ میں نے مناسب سمجھا اپنی رائے اور تحقیق کو والد اور شیخ برہانی کے سامنے پیش کروں اور ایک دن میں نے ظہر کی نماز کے بعد شیخ برہانی سے یہ بات ذکر کی کہ مسجد بنی امیہ میں نماز جائز نہیں ہے، تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ اس موضوع کے بارے میں جو تم نے تحقیق کی ہے وہ مجھے لکھ کر دکھاؤ، چنانچہ میں نے تین چار صفحات میں لکھ کر انھیں اپنی تحقیق دی۔ انھوں نے کہا میں عید کے بعد اس کا جواب دوں گا (کیونکہ رمضان کا مہینہ چل رہا تھا) اور جب میں عید کے بعد ان کے پاس گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ ساری چیزیں جن کا ذکر تم نے اپنے مضمون میں کیا ہے ان کی کوئی اصل نہیں ہے، مجھے بڑا تعجب ہوا، میں نے پوچھا: کیوں؟ کہا کہ وہ تمام کتابیں جن کا حوالہ تم نے دیا ہے، ہمارے ہاں معتمد نہیں ہیں۔

شیخ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ ان کی اس بات کا کیا مطلب ہے، لیکن میں نے اپنے مضمون میں انھیں کے مذہب حنفی کی چند کتابوں مثلا ملا علی قاری کی کتاب مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کا حوالہ دیا تھا جو ایک حنفی عالم ہیں اور ایسے ہی بعض نصوص کا ذکر کیا تھا۔ واضح ہو کہ جو نقطۂ نظر شیخ برہانی کا تھا وہی نظریہ میرے والد صاحب کا بھی تھا۔

بدعت کی تردید میں کتاب کی تالیف

شیخ کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے اپنی کتاب تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد لکھی اور اپنے قول و فعل میں مطابقت رکھنے کے واسطے مین نے مسجد بنی امیہ میں نماز نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ اور جب والد صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے اپنے دل میں یہ بات رکھ لی اور ایک بار پھر جب 'دوسری جماعت" کا مسئلہ درپیش ہوا تو میں نے پوری قوم کی مخالفت کی، کیونکہ مسجد بنی امیہ میں دو جماعتیں ہوا کرتی تھیں۔ ایک حنفی امام کی اور ایک شافعی امام کی۔ حنفی جماعت کی امامت شیخ برہانی کرتے تھے اور جب وہ نہیں رہتے تو میرے والد صاحب ان کی نیابت کرتے تھے، لیکن میں اپنے والد کے پیچھے دوسری جماعت سے نہیں پڑھا کرتا تھا۔

نئی جگہ میں میں نے اپنا فکری اور عملی کام آزادی سے جاری رکھا، ہم بعض دوستوں کے گھر بھی درس قائم کیا کرتے تھے اور جب ہماری دعوت کا حلقہ وسیع ہو گیا تو ہم نے باقاعدہ حدیث اور فقہ کا بھی درس شروع کر دیا۔ میرے والد کبھی کبھی میرے پاس آتے اور بات جیت کرکے چلے جاتے، ایک دن آئے اور مجھ سے کہا: " انا لا انکر اننی استفدت منک" (میں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ میں نے تم سے استفادہ کیا ہے)۔ شیخ نے کہا ہمارے اور ان کے درمیان جو کچھ ہوا شاید یہ اس کا کفارہ ہو۔

تحصیل علم کے لیے سائیکل کی سواری

شیخ کہتے ہیں کہ: مجھے ایک سستی زمین ملی اور میں نے خرید لی، وہاں پر گھر بھی بنایا اور وہیں پر اپنی دکان بھی کھول دی لیکن جب اپنے نئے گھر میں گیا تو مکتبہ ظاہریہ میرے گھر سے کافی دور پڑنے لگا، جہاں میرا آنا جانا برابر رہتا تھا، مکتبہ کھلنے سے قبل ایک دو گھنٹہ دکان میں کام کرتا اور پھر مکتبہ چلا جاتا۔ لیکن وقت بچانے کی خاطر میں نے ایک سائیکل خرید لی جس پر سوار ہوکر میں مکتبہ ظاہریہ جایا کرتا تھا (اس زمانے میں شام میں سائیکل سواری اچھی بات نہیں مانی جاتی تھی) چنانچہ دمشقیوں نے پہلی بار دیکھا کہ کوئی صاحب عمامہ شیخ سائیکل پر سوار ہوکر آتا جاتا ہے انھیں اس واقعہ سے بڑا

تعجب ہوا، اس وقت ایک مزاحیہ میگزین نکلتا تھا جس کا نام" المضحک المبکی" (ہنسانے رلانے والا) جسے ایک مسیحی آدمی شائع کرتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے مزاحیہ کالم میں اس کا ذکر کیا، لیکن میں نے ان سب چیزوں کی پروا نہیں کی، کیونکہ مجھے تو اپنا وقت بچانے اور اس سے استفادہ سے مطلب تھا۔

مکتبہ ظاہریہ میں ایک ورق کی تلاش

شیخ کہتے ہیں: ایک دن میری آنکھ میں درد محسوس ہوا، میں نے ڈاکٹروں کو دکھایا، اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کام کرتے ہو؟ میں نے کہا: میں گھڑی ساز ہوں اور کتابوں کا بہت مطالعہ کرتا ہوں، چنانچہ اس نے مجھے علاج کے ساتھ 6 مہینوں تک ان سب چیزوں سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیا، میں دکان میں لوٹ آیا، 2 ہفتوں تک میں نے کام کیا اور نہ پڑھائی لکھائی۔ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ مکتبہ ظاہریہ میں بہت سارے رسالے ہیں، جن میں سے ایک رسالہ ابن ابی الدنیا کا ذم الملاهی بھی ہے۔ میں نے خطاط سے کہا کہ وہ میرے لیے اس رسالے کی خطاطی کر دے۔ اس کے بعد جب میں مکتبہ آیا تو معلوم ہوا کہ اس کا ایک ورق غائب ہے، پھر بھی میں نے اس خطاط کو کتابت جاری رکھنے کو کہا اور جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ایک ہی ورق غائب ہے تو میں نے اس کی تلاش کرنے کا پورا فیصلہ کر لیا، مکتبہ میں اس ورق کی تلاش کے دوراں مجھے بڑا علمی فائدہ ہوا، میری ہمت بڑھ گئی، یہاں تک کہ میں نے 500 سے زائد مجلات کو دیکھ ڈالا۔ سیڑھی پر چڑھ کر اوپر کی الماریوں کی ایک ایک جلد اور ایک ایک کتاب میں ڈھونڈتا۔ مطالعہ اور تلاش کے دوران مجھے جو کچھ مفید معلومات ملتیں، نوٹ کرتا جاتا۔ اس کام سے مجھے بہت فائدہ ہوا، بہت سارے مسائل کا علم ہوا اور بڑی ہمت افزائی بھی ہوئی۔

ایک زمانے کے بعد شیخ حمدی عبد المجید سلفی نے)جو شیخ کے شاگردوں میں سے ہیں) میرے دریافت کردہ اس نسخہ کی اساس پر اس کتاب کی تحقیق کی، جسے مؤسستہ الرسالہ نے شائع کیا، جہاں شیخ شعیب ارناؤط کام کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد میں نے ان کتابوں (جن کا نام میں نے اس ایک ورق کی تلاش کے وقت لکھا تھا (پر نظر ثانی کی، نئے سرے سے کارڈوں پر لکھا اور مؤلفین کے ناموں پر انھیں حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا اور اس سے مکتبہ ظاہریہ کے مخطوطات کی فہرست وجود میں آئی۔ پھر اس کا دوسرامرحلہ آیا اور یہی اس کوشش کا بابرکت ثمرہ ہے کہ میں نے ان مخطوطات کو پرھنا شروع کیا، ان سے حدیثی فوائد کا استخراج کیا اور حروف تہجی کے اعتبار سے ان کو مرتب کیا۔ گم شدہ ورق کی یہ مختصر کہانی ہے۔ (شیخ ابو الحسن "جو شیخ البانی کے شاگردوں میں سے ہیں" کہتے ہیں کہ شیخ علی حسن اثری نے ان کو بتایا کہ ایک تحقیق کرنے والے کو وہی ورق ترکی کے کسی مکتبہ سے ملا، جسے اس نے ایک میگزین میں شائع کیا، پھر شیخ البانی رحمہ اللہ علیہ کو مضمون سنایا گیا تو شیخ کو بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ مکتبہ ظاہریہ میں اس ورق کے تلاش میں شیخ کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ ورق مکتبہ میں نہیں ہے اور پھر اس ورق میں موجود علمی مواد سے واقفیت آپ کی خوشی کا سبب بنا، ابو اسماء کہتے ہیں، شیخ علی حسن اثری نے یہ بات مجھے بھی بتائی)۔

مکتبہ ظاہریہ میں شیخ کے لیے خصوصی کمرہ

ابو اسماء کہتے ہیں: اسلامی ملکوں میں لائبریریوں کے اپنے اپنے ضوابط اور قوانین ہوتے ہیں، جن کی حدود میں ہی رہ کر وہ طلبہ اور زائرین کے ساتھ معاملات کرتے ہیں۔ پھر مکتبہ ظاہریہ والوں نے ایک کمرہ کیسے خاص کر دیا، اس کی کنجی شیخ کو کیسے ملی؟ وہ کسی بھی وقت مکتبہ میں داخل ہو سکتے تھے، ان سب کے اسباب شیخ البانی یوں بیان کرتے ہیں:

مخطوطات اور کتابوں سے بھر جاتا تھا، یہاں تک کہ کسی اور کے لیے جگہ نہیں رہتی، اس سے ظاہر ہے کہ دوسرے طلبہ کو اعتراض ہوتا ہوگا، خاص کر امتحانوں کے دنوں میں، جس کی وجہ سے مکتبہ کے ذمہ داروں نے سیڑھی کے نیچے ایک تاریک کمرہ تھا، جس کو کسی لائق نہیں سمجھا جاتا تھا، میرے لیے خاص کر دیا اور میری ضرورت کے مخطوطات اور کتابیں وہاں رکھ دی گئیں تاکہ اس سے دوسروں کو پریشانی نہ ہو۔

دوسرا یہ کہ شام یونیورسٹی کی کلیۃ الشریعہ نے علوم حدیث میں ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے کا فیصلہ کیا تو مجھے یہ تجویز پیش کی کہ میں اس سلسلہ میں کام کروں۔

چنانچہ غور و فکر کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا اور یہ شرط رکھی کہ میں اس موضوع پر صرف 4 گھنٹے یومیہ کام کروں گا، باقی وقت طلب علم میں صرف کروں گا اور مکتبہ والے مجھے کسی بھی وقت آنے جانے سے نہیں روکیں گے، کیونکہ مکتبہ صبح 8 بجے کھلتا ہے اور 12 بجے بند ہوجاتا ہے اور پھر شام کو 4 بجے کھلتا ہے اور ٹھیک 9 بجے بند ہوجاتا تھا، چنانچہ ان لوگوں نے مکتبہ کے ذمہ داروں سے بات کی اور انھوں نے اس سے اتفاق کیا، مجھے مکتبہ کی ایک کنجی دے دی گئی اور چوکیدار سے کہ دیا کہ مجھے کسی بھی وقت مکتبہ میں داخل ہونے سے منع نہ کرے۔

دعوت وتبلیغ

احادیث کے مطالعہ نے شیخ علیہ الرحمہ کی علمی اور عملی زندگی پر بہت اثر ڈالا۔ چنانچہ حنفی گھرانے میں نشو و نما پانے کے باوجود شیخ صحیح منہج کی طرف مائل ہوئے۔ شیخ اپنے والد سے جو حنفی تھے، بہت سارے مسائل میں اختلاف رکھتے تھے اور والد سے کہتے کہ جب اللہ کے رسولؐ سے حدیث ثابت ہو جائے تو اس کا چھوڑنا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے اور یہی منہج امام ابو حنیفہ رح اور دوسرے ائمہ کرام کا بھی تھا اور یہیں سے شیخ نے ایک طرف دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور دوسری طرف شیخ کے درمیان اور اور دوسرے مشائخ اور ائمہ مساجد کے درمیان بحث شروع ہو گئی جب اپنے ہی قوم کے مسلکی تعصب رکھنے والے صوفیوں اور بدعتیوں نے شیخ کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ انھیں" گمراہ وہابی" کے خطاب سے نوازا۔ دوسرے لوگوں کو شیخ سے دور رکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن دمشق کے شیخ بہجت بیطار عبد الفتاح، حامد فقی، شیخ توفیق بزرہ جیسے مشہور فاضل علما نے شیخ کو اپنی دعوت و تبلیغ جاری رہنے پر ابھارا اور شیخ کے منہج کی تائید کی۔

" جب ہم نے اپنی دعوت و تبلیغ کا خوش گوار اثر دیکھا تو ہم نے حلب اور لاذقیہ کے درمیان واقع ادلب، سلمیہ، حمص، حماہ، رقہ جیسے علاقوں کا دورہ کرنے کا پروگرام مرتب کیا، جس میں قابل ذکر کامیابی ملی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم حدیث کے شائقین جمع ہوتے اور حدیث کی کتابوں کا مل کر مذاکرہ کرتے۔ سوالات و جوابات اور مناقشہ کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ لیکن یہ دورے حاسدین کے حسد کا شکار ہونے سے بچ نہ سکے، انھوں نے ذمہ داروں سے شکایت کی اور ہم لوگ مشکلات میں پھنس گئے۔"

ہوا یوں کہ حاسدوں نے حکومت سے شیخ کی جھوٹی شکایت کی اور شیخ کو6 ماہ کے لیے قید کر دیا گیا، واضح ہو کہ اس سے پہلے 1976ء میں بھی ایک بار شیخ کو ایک ماہ کے لیے جیل ہوئی، لیکن اللہ کے فضل سے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ شیخ کی ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو اگر ایسے واقعات پیش نہ ہوتے تو شاید ایک بار بھی شیخ سے ملاقات کی نہ سوچتے، چہ جائیکہ وہ شیخ سے سلفیت اور شیخ کے منہج کے بارے میں بات کریں، جس سے شیخ اور سلفیت کے سلسلہ میں ان کے بہت سے غلط افکار بدل گئے۔

شیخ کی علمی مجلس

شیخ کا ہفتہ واری پروگرام ہوتا تھا، جس میں یونیورسٹیوں کے اجلہ استاذہ کرام تک حاضر ہوتے تھے۔ ان مجالس اور پروگراموں میں شیخ نے درج ذیل کتابوں کا درس دیا۔

- الروضۃ الندیہ (صدیق حسن خان)
- منہاج الاسلام فی الحکم (محمد اسد)
- اصول الفقہ (عبد الوھاب خلاف)
- مصطلح التاریخ (اسد رستم)
- فقہ السنہ (سید سابق)
- الحلال و الحرام (یوسف القرضاوی)
- الترغیب والترھیب (حافظ منذری)

- فتح المجيد الشرح كتاب التوحيد (عبد الرحمان بن حسن)
- الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث (احمد شاکر)
- ریاض الصالحين (امام نوویؒ)
- الامام فی احادیث الاحکام (ابن دقيق العيد)
- الادب المفرد (امام بخاریؒ)
- اقتضاء الصراط المستقيم (ابن تیمیہ)

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں شیخ کی زندگی

شیخ علی خشان اور شیخ عید عباسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے فضل و کرم اور شیخ کی مسلسل کوششوں سے آپ رح کی حدیث، فقہ اور عقیدہ میں بہت ساری مفید کتابیں منظر عام پر آئیں، جنھوں نے علمی حلقوں میں شیخ کو متعارف کروایا، شیخ کے صحیح منہج کي پہچان کرائی۔ شیخ کی علمی صلاحیتوں، تفقہ اور لیاقت کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، جس کی وجہ سے شیخ ایک مشہور و معروف عالم کی صورت میں ابھرے۔ ایسے عالم جن سے علما و مشائخ استفادہ کرتے، علمی مراکز کے ذمہ دار جن کی قدر کرتے، چنانچہ جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی داغ بیل ڈالی گئی تو جامع کے ذمہ داروں بالخصوص جامعہ کے رئیس اور مفتی الدیار السعودیۃ شیخ علامہ محمد بن ابراہیم آل شیخ نے البانی صاحب کا حدیث، علوم حدیث اور فقہ حدیث کی تدریس کے لیے انتخاب کیا۔ شیخ نے جامعہ میں تین سال تک حدیث اور علوم حدیث کا درس دیا۔ اس درمیان شیخ اتنی محنت اور اخلاص سے کام کرتے تھے کہ گھنٹی ختم ہونے کے بعد میدان میں طلبہ کے ساتھ بیٹھتے، بعض اساتذہ جب وہاں سے گزرتے تو یہ منظر دیکھ کر کہتے کہ حقیقی در و تدریس یہی ہے نہ کہ کلاس روم میں جو درس ہوتا ہے۔

شیخ کی طلبہ سے محبت

شیخ کا تعلق اپنے شاگردوں کے ساتھ، ساتھی اور دوست جیسا تھا نہ کہ استاذ شاگرد جیسا۔ شیخ نے سارے تکلفات کو ختم کرکے اعتماد اور بھائی چارگی کو قائم کیا تاکہ طلبہ کو استفادہ میں جھجھک محسوس نہ ہو۔ یہاں تک کہ شیخ کہتے ہیں کہ: "طلبہ کا میرے ساتھ ایسا لگاؤ تھا کہ جب میں اپنی گاڑی میں جامعہ جاتا تھا تو میری گاڑی طلبہ سے گھر جاتی تھی۔"

شیخ صاحب نہایت ہی اعلی اخلاق کے مالک تھے، کشادہ دل اور مزاج کے نہایت ہی اچھے تھے، شاگرد کے لیے بہترین استاذ، دوست کے لیے بہترین دوست تھے۔

حاسدوں کی جلن

شیخ کی مقبولیت کو دیکھ کر جامعہ کے بعص استاذہ آپ سے حسد کرنے لگے، بالآخر شیخ علیہ الرحمہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل کہتے ہوئے قضاء و قدر سے ہر حال میں راضی بہ رضا ہوکر ایمان و یقین کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گئے۔

" حیثما کنت تقوم بواجب الدعوۃ لا فرق عندک"

جہاں بھی آپ رہیں گے دعوت کا کام کرتے رہیں گے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

شیخ البانی کا جامعہ پر اثر

شیخ البانی دنیا کے پہلے عالم تھے، جنھوں نے دنیا کی کسی یونیورسٹی میں پہلی بار، علم اسناد، کے موضوع کو حدیث کے نصاب میں داخل کیا۔ کیونکہ اس وقت تک دنیا کی کسی بھی اسلامی یا عربی یونیورسٹی میں یہاں تک کہ جامعہ ازہر میں بھی ایسا موضوع داخل نصاب نہیں تھا۔

شیخ کا طریقہ تدریس یہ تھا کہ تیسرے سال کے طلبہ کے لیے صحیح مسلم سے ایک حدیث اور دوسرے سال کے طلبہ کے لیے سنن ابوداؤد سے ایک حدیث کا انتخاب کرتے۔ کلاس روم میں بلیک بورڈ پر سند کے ساتھ حدیث کو لکھتے اور علم رجال کی کوئی کتاب جیسے تقریب وغیرہ کے ذریعے حدیث کی تخریج، اس کے رجال کی تنقید کا طریقہ عملی صور سے بتاتے۔ چنانچہ شیخ کے جامعہ سے کوچ کرکے جانے کے بعد بھی موصوف کے ان دروس کا واضح اثر باقی رہا اور جب شیخ محمد امین مصری شعبہ حدیث کے صدر مقرر ہوئے تو انھوں نے البانی رح کے طریقہ درس پر چل کر علم اسناد کو پڑھایا۔ یہاں تک کہ عالم اسلامی کے بہت سارے جامعات میں یہ طریقہ تعلیم جاری و ساری ہو گیا، جس کے نتیجہ میں بہت ساری کتب حدیث کی علمی تحقیق و تخریج سامنے آئی۔

شیخ کی خاکساری

ابو اسماء کہتے ہیں کہ مجھ سے حسن عوایشہ نے بیان کیا کہ علامہ البانی ایک بار میرے گھر آئے اور اسی کمرے میں اور اسی کرسی پر بیٹھے، میں جلد بازی کی وجہ سے شیخ کی ضیافت نہ کرسکا اور میں نے شیخ کو کہا: معاف کیجیے گا شیخ! میرے پاس فی الحال کوئی چیز تیار نہیں ہے جسے میں آپ کو پیش کرسکوں۔ عوایشہ کہتے ہیں کہ میرے یہ کہنے کے بعد شیخ خاموش ہو گئے اور بات نہیں کی۔ میں نے شیخ سے پوچھا کہ کیا میرا یہ سوال بدعت تو نہیں؟ شیخ نے کہا، میرا یہاں آنے کا مقصد کھانا نہیں بلکہ کھانے کھلانے والا ہے۔

ابو اسماء کہتے ہیں کہ مجھ سے شیخ حسین بن خالد عشیش نے البانی صاحب کے تواضع کے بارے مین چند ایسے واقعات بیان کیے جنھیں شاید ہی کسی نے سنا ہو، وہ کہتے ہیں: یہ 1965. 66 کی بات ہے، میری عمر 16.15 سال تھی اور میں حماہ شہر میں رہتا تھا، جہاں میرے اور ایک اور صاحب کے علاوہ کوئی سلفی نہیں تھا، چنانچہ ہم دونوں نے شیح کے پاس دعوت نامہ بھیجا کہ وہ ہمارے یہاں تشریف لائیں اور یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ شیخ ہماری دعوت کو منظور کریں گے، کیونکہ اس وقت ہم لوگ چھوٹے تھے اور شیخ ہمیں پہچانتے بھی نہیں تھے۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں کے بعد شیخ رح میرے دوسرے ساتھی کے گھر تشریف لائے اور وہ صاحب میرے پاس بھاگے ہوئے میرے گھر آئے اور خوشخبری دی کہ شیخ ہمارے گھر تشریف لائے ہیں، یہ سن کر ہم لوگ بھاگے ہوئے شیخ کے پاس گئے۔

اندازہ لگائیے کہ محدث عصر، امیر المومنین فی الحدیث دو چھوٹے چھوٹے طلبہ کی دعوت پر لبیک کہہ کر پہنچتا ہے جبکہ پہلے سے کوئی تعارف بھی نہیں ہے، آپ نے خاکساری اور تواضع کی حد کردی، اللہ تعالی آپ کو اپنی رحمت و مغفرت سے ڈھانپ لے۔ آمین

شیخ ایک لاکھ حدیثوں کے حافظ تھے:

ابو اسماء کہتے ہیں، شیخ عشیش نے مجھ سے بیان کیا کہ شیخ رح ایک بار بتا رہے تھے کہ حافظ حدیث کسے کہتے ہیں، انھوں نے بتایا کہ حفظ حدیث کا سب سے اعلی درجہ امیر المومنین فی الحدیث کا ہے، پھر حافظ حدیث کا، پھر محدث کا۔

شیخ نے بتایا کہ حافظ حدیث اسے کہیں گے جس کو ایک لاکھ حدیثیں سند کے ساتھ یاد ہوں۔

عشیش کہتے ہیں کہ میں نے فورا سوال کیا، کیا ہم یہ سمجھیں کہ ہمارے شیخ کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں؟

شیخ نے فرمایا: اس سے تم کو کیا مطلب، مجھے یاد ہے یا نہیں؟ عشیش نے کہا، کیوں نہیں مجھے مطلب ہے۔ شیخ نے کہا، نہیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے –

عشیش نے کہا، تو کیا میں کہہ سکنے کی جرات کر سکتا ہوں کہ ہمارے شیخ حافظ حدیث ہیں۔ عشیش کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو شیخ خاموش ہو گئے، پھر میں نے شیخ سے کہا کہ خاموشی کا مطلب اثبات ہے، پھر شیخ نے کہا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس سے تم کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے؟۔ عشیش نے کہا، کیا میں خاموشی کو اثبات پر محمول کروں، پھر شیخ خاموش ہو گئے اور میں اپنا سوال بار بار دھراتا رہا تو شیخ نے فرمایا " وما بکم من نعمۃ فمن اللہ۔ کہ ہمارے پاس جو بھی نعمت ہے سب اللہ کی عنایت کردہ ہے۔ عشیش نے کہا کہ کیا میں اسے اثبات سمجھوں؟ شیخ نے فرمایا: تم چاہو تو اسے اثبات پر

محمول کرلو یا جو چاہو سمجھ سکتے ہو۔ عشیش کہتے ہیں کہ، جب شیخ نے یہ کہا تو میں نے مارے خوشی کے زور سے اللہ اکبر کہا اور کہا الحمد اللہ ہمارے شیخ کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں، جب شیخ نے مجھے یہ کہتے ہوئے سنا تو ہنس پڑے، ایسے جیسے کہ میری بات کی تصدیق کر رہے ہوں۔

عشیش کہتے ہیں یہ شروع سے آخر تک شیخ کے جواب میں تشفی بخش بات نہیں تھی جو صرف اور صرف شیخ کی انتہا درجے کی خاکساری اور تواضع کی دلالت کرتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی شیخ کے تواضع اور منکسرالمزاجی کے بہت سارے واقعات ہیں، عشیش کہتے ہیں شیخ رح کا مجھ سے اس طرح مباحثہ کرنا بھی ان کی شدید خاکساری اور تواضع کی دلیل ہے۔

شیخ کی اولاد

شیخ کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل و کرم سے میں نے اپنے سارے بچوں کا نام عبد سے رکھا، میری پہلی بیوی سے عبد الرحمن، عبد الطیف اور عبد الرزاق ہیں۔ دوسری بیوی سے عبد المصور، عبد الاعلی اور عبد المھیمن ہیں اور میرے خیال سے میں نے رجال اور رواۃ کی کتابوں میں جس قدر بھی نام دیکھے ہیں، شاید ہیں کسی آج تک عبد المصور نام رکھا ہو۔ اللہ تعالی مجھے مزید توفیق سے نوازے اور میرے آل و اولاد میں برکت نازل فرمائے۔ اے میرے رب ہمیں ہماری بیویوں اور ذریت سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔

پھر 1383ھ میں جب میں مدینہ منورہ میں تھا تو اللہ تعالی نے ایک بیٹا دیا تو میں نے مدینۃ الرسول کی مناسبت سے اور اس کی یاد میں، نیز اللہ کے رسول کی حدیث " تسموا باسمی ولا تکنوابکنیتی" کہ میرے نام پر نام رکھو البتہ میری کنیت مت رکھو، پر عمل کرتے ہوئے اس بیٹے کا نام "محمد:" رکھا۔

شیخ کے بیٹے شیخ عبد الرزاق البانی نے ان کی ترتیب کو اس طرح بتائی ہے:

شیح کے اخلاق

آج کے زمانے میں بہت سارے لوگ جب غلطی کر جاتے ہیں اور جب کوئی عالم یا انھیں جیسا شیخ یا طالب علم نصیحت کرتا ہے تو نہیں مانتے۔ لیکن شیخ البانی رح جیسا کہ میں نے ان سے سنا ہے، ان کی کتابوں میں پڑھا ہے، ایسے نہیں تھے۔ حق بات سے شرم نہیں کرتے اور اسے اپنے لیکچر اور دروس میں علی الاعلان کہتے تھے۔

شیخ کا اخلاق یہ بھی تھا کہ وہ اپنی تعریف اپنے ساتھ پسند نہیں کرتے تھے، تاکہ ان کے اندر ریا کاری نہ پیدا ہو جائے، اپنے تلامذہ اور دوستوں کے احوال دریافت کرتے رہتے تھے۔ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے اور بہت زیادہ رونے والے تھے۔

شیخ بہت ہی رقیق القلب اور بہت زیادہ آنسو والے شخص تھے، شاید ہی کسی ایسی حدیث کا ذکر آیا ہو جس میں رونے والی بات ہو اور شیخ نہ روئے ہوں۔

شیخ کی تالیفات

ابو اسماء کہتے ہیں کہ شیخ حسن عوایشہ کے ذریعے مجھے شیخ البانی رح کے ہاتھوں لکھی ہوئی فہرست ملی جس میں انھوں نے اپنی مطبوعہ او رغیر مطبوعہ کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کی تعداد 66 تک پہنچتی ہے، لیکن یاد رہے کہ شیخ نے اس میں اپنی ساری کتابوں کا ذکر نہیں کیا ہے، چنانچہ مجّلہ اصالہ میں شیخ کے مشہور شاگرد علی حسن عبد الحمید حلبی اثری کے قلم سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں انھوں نے شیخ رح کی تمام تالیفات کا ذکر کیا ہے جس کے حساب سے شیخ کی کل تالیفات کی تعداد 218 تک پہنچتی ہے۔

مرض وفات

وفات کے قبل آخری تین سالوں میں شیخ کو بہت ساری بیماریاں لاحق ہو گئی تھیں، میں شیخ سے ٹیلی فون پر برابر رابطہ رکھتا تھا اور ان سے بات چیت کرتا تھا، شیخ کی بیماریوں کی وجہ سے شیخ کا وزن برابر گھٹتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ جب میں نے 5.8.1999 کو شیخ کی زیارت کی تو اس وقت شیخ صاحب بہت دبلے ہو گئے تھے، یہاں تک کہ وفات کے دن آپ کا وزن 30 کلو سے بھی کم ہو گیا تھا۔

شیخ محمد عابدین (جو شیخ کی زوجہ ام الفضل کے رشتہ داروں میں سے ہیں) نے مجھ سے قاہرہ ایئرپورٹ پر بتایا کہ شیخ کا اینمیا (خون کی کمی) کا مرض لاحق ہو گیا ہے اور اسی طرح محمد بدیع موسی نے عمان میں مجھے بتایا تھا کہ شیخ کو کلیجے اورپھپھڑے میں تکلیف تھی۔ ابو اسماء کہتے ہیں کہ شیخ کو ہمیشہ حلق میں لیس دار بلغم کی شکایت رہتی تھی، میں نے خود شمیسانی ہسپتال میں شیخ کی زیارت کے وقت ان کی تکلیف دیکھی تھی۔

شیخ علی بن حسن عبد الحمید الحلبی نے مجھ سے دبئی میں بیان کیا کہ وفات سے دو دن قبل شیخ نے مجھ سے قرآن کی تفسیر اور صحیح ابوداؤد کا نسخہ منگوایا اور انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ وفات سے ایک ماہ قبل تک شیخ تین دن تک صرف ایک حدیث کی تلاش میں لگے رہے، یہاں تک کہ اپنے پوتے عبادہ کو 18 صفحات میرے سامنے املا کرادیا۔

شیخ محمد ابراہیم شقرہ سے کہتے ہوئے سنا کہ شیخ رح بحث و تحقیق سے غفلت نہیں کرتے تھے اور جب کچھ لکھنا چاہتے تھے اور اپنے بیٹوں سے کہتے تھے" اکتب یا عبد الطیف، اکتب یا عبادہ" (عبد الطیف لکھو، عبادہ تم بھی لکھو)

یہ لوگ شیخ کو سونے کی حالت میں کہتے ہوئے سنتے، " ھات کتاب الجرح والتعدیل جزء کذا صفحہ کذا" (کہ الجرح و التعدیل کتاب کا فلاں جزء فلاں صفحہ لے کر آؤ) یہ تھا شیخ کا علم کے ساتھ شغف کا عالم۔

اس طرح شیخ رح نے زندگی کے 60 سال سے زیادہ کی مدت علم کے درس و تدریس اور خدمت میں گزاری، کتنے حوشگورا اور بہترین تھے وہ دن!

ابو اسماء کہتے ہیں، میں نے بروز ہفتہ بتاریخ 23 جمادی الاول 1420ھ بمطابق 2 اکتوبر 1999ع کو عصر کے بعد شیخ کی وفات کی خبر سنی۔

شیخ کا وصیت نامہ

شیخ کے وصیت نامہ کی عبارت کا اردو ترجمہ من و عن درج ذیل ہے۔

وصیت نامہ کی عبارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں اپنی بیوی، بچوں، دوستوں اور سارے اعزہ کو وصیت کرتا ہوں کہ جب ان کو میری وفات کی خبر پہنچے تو وہ میرے لیے مغفرت اور رحمت کی دعائیں کریں اور میرے اوپر نوحہ نہ کریں، نہ آواز سے روئیں۔

ثانیا: مجھے دفن کرنے میں جلدی کریں، میری تجہیز و تکفین میں جتنے لوگوں کی ضرورت ہو ان کے علاوہ میرے رشتہ داروں، اعزہ و اقارب کو خبر نہ کریں۔ مجھے میرے پڑوسی، میرے مخلص دوست، عزت خصر ابو عبد اللہ غسل دیں گے، نیز وہ لوگ ان کے ساتھ غسل دینے میں شریک ہو سکتے ہیں جن کو وہ اپنی مدد کے لیے منتخب کریں گے۔

ثالثا: میں چاہتا کہ مجھے سب سے قریبی جگہ میں دفن کیا جائے تاکہ جو لوگ میرے جنازے کو اٹھائیں، انھیں گاڑی وغیرہ میں رکھنے کی ضرورت نہ پڑے اور لوگوں کو اپنی اپنی گاڑیوں سے قبرستان تک جانے کی ضرروت نہ پیش آئے۔ میری قبر ایسے قبرستان میں ہو جو قدیم ہو اور جس کے بارے میں غالب گمان ہو کہ اسے اکھیڑا نہیں جائے گا۔

جس شہر میں میری وفات ہو وہاں کے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ میری تدفین کے بعد ہی میرے ان بچوں کو خبر کریں جو اس شہر کے باہر ہوں۔ تاکہ جذبات کے غالب ہونے کی وجہ سے میری تدفین میں تاخیر نہ ہو۔ اللہ سے دعا ہے کہ میں اس سے ایسی حالت میں ملوں کہ وہ میرے اگلے اور پچھلے سارے گناہوں کو معاف کردیئے ہوں۔

وصیت کی تنفیذ

شیخ کی وصیت کے مطابق اس کی تنفیذ کردی گئی، چنانچہ شیخ کی وفات مغرب سے تھوڑی دیر قبل ہوئی اور عشاء کے تین گھنٹہ بعد آپ کی تجہیز و تکفین کردی کئی۔ آپ کے بھائیوں، بیٹوں، شاگردوں، دوستوں اور اعزہ و اقارب میں سے جو لوگ اس وقت نماز جنازہ میں حاضر ہو سکے ان کی تعداد 5000 یا اس سے زیادہ تھی، سنت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ میدان میں ادا کی گئی۔

شیخ کی قبر

آپ کی وصیت میں تھا کہ آپ کو سب سے قریبی قبرستان میں دفن کیا جائے۔

ابو اسماء کہتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب سے قریبی جگہ سے مراد شیخ کے گھر سے قریبی جگہ تھی، ورنہ تو آپ کی وفات شمیسانی ہسپتال میں ہوئی تھی۔

شیخ کا گھر عمان میں ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ جس کا نام ہملان ہے اور شیخ کے گھر کے قریب ہی ایک پرائیویٹ قبرستان ہے جو چاروں طرف سے بند ہے، اسی میں شیخ دفن کیے جانے کے لیے اللہ نے راستہ ہموار فرمایا، چنانچہ اسی ہملان قبرستان میں آپ مدفون ہیں۔

حوالہ جات

1. ^ ا ب مصنف: فرانس کا قومی کتب خانہ — عنوان : اوپن ڈیٹا پلیٹ فارم — بی این ایف - آئی ڈی: https://catalogue.bnf.fr/ark:/12148/cb14608271r — اخذ شدہ بتاریخ: 10 اکتوبر 2015
2. Diamond Catalog ID for persons and organisations: https://opac.diamond-ils.org/agent/26741 — بنام: Muḥammad ibn al-Ḥāğğ Nūḥ al-Albānī
3. ^ ا ب Babelio author ID: https://www.babelio.com/auteur/wd/101916 — بنام: Cheikh Al-ALBANI
4. عنوان : Gemeinsame Normdatei — ربط: https://d-nb.info/gnd/103286659 — اخذ شدہ بتاریخ: 31 دسمبر 2014 — اجازت نامہ: CC0